معیاری ادب نمبر ۱۳

دیوانِ درؔد

(خواجہ میر درؔد دہلوی)

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ
نئی دہلی

صدر دفتر:

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ جامعہ نگر۔ نئی دہلی 110025

شاخیں:

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ اردو بازار، دہلی 110006
مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ پرنس بلڈنگ۔ بمبئی 400003
مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ یونی ورسٹی مارکیٹ۔ علی گڑھ 202001

فروری سنہ ۱۹۸۹ء   تعداد 1000   قیمت: =/12

لبرٹی آرٹ پریس (پروپرائٹرز: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ) پٹودی ہاؤس، دریا گنج، نئی دہلی ۲ میں طبع ہوئی

مدرسہ، یا دَیر تھا، یا کعبہ، یا بُت خانہ تھا
ہم سبھی مہمان تھے واں، تو ہی صاحب خانہ تھا

وائے نادانی! کہ وقتِ مرگ یہ ثابت ہوا
خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا؛ جو سُنا، افسانہ تھا

حیف! کہتے ہیں، ہُوا گل زار، تاراجِ خزاں
آشنا اپنا بھی واں اک سبزۂ بیگانہ تھا

ہو گیا مہماں سرائے کثرتِ موہوم، آہ!
وہ دلِ خالی، کہ تیرا خاص خلوت خانہ تھا

بھول جا، خوش رہ، عبث وے سابقے مت یاد کر
دردؔ! یہ مذکور کیا ہے، آشنا تھا، یا نہ تھا

کبھو خوش بھی کیا ہے جی کسی رندِ شرابی کا
بھڑا دے مُنہ سے مُنہ، ساقی! ہمارا اور گلابی کا

چھپے ہرگز نہ مثلِ بُو، وہ پردوں کے چھپائے سے
مزہ پڑتا ہے جس گُل پیرہن کو، بے حجابی کا

شرار و برق کی سی بھی نہیں یاں فرصتِ ہستی
فلک نے ہم کو سونپا کام جو کچھ تھا شتابی کا

میں اپنا دردِ دل، چاہا، کہوں جس پاس عالم میں
بیاں کرنے لگا قصّہ وہ اپنی ہی خرابی کا

کبودِ چرخ دیکھا تو سواری کے نہیں قابل
مہِ نو سے ہے پیدا عیب اُس کی بدرکابی کا

زمانے کی نہ دیکھی جُرعہ ریزی دردؔ ! کچھ تو نے
ملایا مثلِ مینا خاک میں خوں ہر شرابی کا

جان پہ کھیلا ہوں میں، میرا جگر دیکھنا — جی نہ رہے یا رہے، مجھ کو اُدھر دیکھنا
گرچہ وہ خورشید رُو، نت ہے مرے سامنے — تو بھی مُیسّر نہیں بھر کے نظر دیکھنا
سو بھی نہ تو کوئی دم دیکھ سکا اے فلک ! — اور تو یاں کچھ نہ تھا، ایک مگر دیکھنا
ذکرِ وفا کیجیے اُس سے جو واقف نہ ہو — کہتے ہو کس سے یہ تم، ٹک تو اِدھر دیکھنا
مثلِ شررِ ننگِ چشم ہستیِ بے بود ہے — دیکھ نہ سکنا اُسے، ٹک بھی جدھر دیکھنا
نالۂ دل کا اثر، دیکھ لیا دردؔ، بس !
جی میں نہ رہ جائے یہ، آہ بھی کر دیکھنا

اکسیر پر بُوالہوس ! اِتنا نہ ناز کرنا — ہنر ہے کیمیا سے، اپنا گُداز کرنا
کب دل ملے کسی کا ہم غم زدوں سے، کُھل کر — ہے اپنے دل سے، لازم جوں غُنچہ، ساز کرنا
اے آنسوؤ ! نہ آوے کچھ دل کی بات مُنہ پر — لڑکے ہو تم، کہیں مت اِفشائے راز کرنا
تو اپنے ہاتھوں آپی پڑتا ہے تفرقے میں — اے امتیاز ناداں ! ٹک امتیاز کرنا
ہم جانتے نہیں ہیں اے دردؔ ! کیا ہے کعبہ
جیدھر ملے وہ ابرو، اودھر نماز کرنا

مثلِ نگیں، جو ہم سے ہوا کام، رہ گیا — ہم رو سیاہ جاتے رہے، نام رہ گیا
یارب ! یہ دل ہے، یا کوئی مہماں سرائے ہے — غم رہ گیا کبھو، کبھو آرام رہ گیا
ساقی ! مرے بھی دل کی طرف ٹک نگاہ کر — لب تشنہ، تیری بزم میں، یہ جام رہ گیا

ٹک بھی گردوں نے اگر فرصت دی　　عیش کو، کشتۂ غم کیجیے گا
گرمیِ اشک سے، مانندِ شراب　　آب و آتش کو بہم کیجیے گا
سینہ و دل کے نہیں، داغوں سے　　رشکِ گُل زارِ ارم کیجیے گا
قصد ہے، قطع بہ طورِ مستاں　　عرصۂ دَیر و حرم کیجیے گا
لہر جب آوے گی جی میں جوں برق　　راہ طے یک دو قدم کیجیے گا
شدتِ مہرِ بُتاں، دل سے آہ!
دَرد، کس طرح سے کم کیجیے گا!

ہم نے کس رات نالہ سَر نہ کیا　　پر اُسے آہ! کچھ اثر نہ کیا
سب کے ہاں تم ہوئے کرم فرما　　اِس طرف کو کبھو گُزر نہ کیا
کیوں بھوِیں تانتے ہو، بندہ نواز!　　سینہ کس وقت میں سپر نہ کیا
کتنے بندوں کو جان سے کھویا　　کچھ خُدا کا بھی تو نے ڈر نہ کیا
دیکھنے کو رہے ترستے ہم　　نہ کیا رحم تو نے، پر نہ کیا
آپ سے ہم گزر گئے کب کے　　کیا ہے، ظاہر میں گو سفر نہ کیا
کون سا دل ہے وہ، کہ جس میں آہ　　خانہ آباد! تو نے گھر نہ کیا
تجھ سے ظالم کے سامنے آیا　　جان کا میں نے کچھ خطر نہ کیا
سب کے جوہر نظر میں آئے، دَرد
بے ہنر! تو نے کچھ ہنر نہ کیا

قتلِ عاشق، کسی معشوق سے کچھ دُور نہ تھا
پر، ترے عہد سے آگے تو یہ دستور نہ تھا

رات مجلس میں، ترے حُسن کے شعلے کے حضور
شمع کے مُنہ پہ، جو دیکھا، تو کہیں نور نہ تھا
ذکر میرا ہی وہ کرتا تھا صریحاً، لیکن
میں نے پوچھا، تو کہا، خیر، یہ مذکور نہ تھا
باوجودے کہ پر و بال نہ تھے آدم کے
وہاں پہنچا، کہ فرشتے کا بھی مقدور نہ تھا
پرورش غم کی ترے، یاں تئیں تو کی، دیکھا
کوئی بھی داغ تھا سینے میں، کہ ناسور نہ تھا
مُحتسب! آج تو مَے خانے میں، تیرے ہاتھوں
دل نہ تھا کوئی، کہ شیشے کی طرح چُور نہ تھا
دردؔ کے ملنے سے، اے یار! بُرا کیوں مانا
اُس کو کچھ اور، سوا دید کے، منظور نہ تھا

جگ میں کوئی نہ ٹک ہنسا ہوگا — کہ نہ ہنستے میں، رو دیا ہوگا
اُن نے قصداً بھی، میرے نالے کو — نہ سُنا ہوگا، گر سُنا ہوگا
دیکھیے، اب کے غم سے جی میرا — نہ بچے گا، بچے گا، کیا ہوگا!
دل، زمانے کے ہاتھ سے، سالم — کوئی ہوگا، جو رہ گیا ہوگا
حال مجھ غم زدہ کا، جس تس نے — جب سنا ہوگا، رو دیا ہوگا
دل کے پھر زخم تازہ ہوتے ہیں — کہیں غُنچہ کوئی کِھلا ہوگا
یک بہ یک نام لے اُٹھا میرا — جی میں کیا اُس کے آگیا ہوگا
میرے نالوں پہ، کوئی دنیا میں (ق) — بن کیے آہ، کم رہا ہوگا

سرسبز یہ کس بادلے سے ہیں آنکھیں، جو اِتنا
دریا کی طرح، کھیت مرا کوٹ بہی ہیں
اے دردؔ، سمجھ سہج نہ ان آنکھوں کا بہنا
چھاتی کی طرح دل کو مرے کوٹ بہی ہیں

گھر تو دونوں پاس ہیں، پر وہ ملاقاتیں کہاں
آمد و رفت آدمی کی ہے، پہ وہ باتیں کہاں
ہم فقیروں کی طرف بھی تو نگاہیں دم بہ دم
پھینکتے جاتے تھے آپ آگے، وہ خیراتیں کہاں
بعد مرنے کے مرے، ہوگی مرے رونے کی قدر
تب کہا کیجے گا لوگوں میں، وہ برساتیں کہاں
یوں تو ہے دن رات میرے دل میں اُس کا ہی خیال
جن دنوں اپنی بغل میں تھا، سو وہ راتیں کہاں
جس طرح سے کھیلتا ہے وہ دلوں کا یاں شکار
دردؔ! آتی ہیں کسی دلبر کو یہ گھاتیں کہاں

مجھے در سے اپنے تو ٹالے ہے، یہ بتا مجھے، تو کہاں نہیں
کوئی اور بھی ہے ترے سوا، تو اگر نہیں، تو جہاں نہیں
پڑی جس طرف کو نگاہ یاں، نظر آگیا ہے خدا ہی واں
یہ ہیں گو کہ آنکھوں کی پُتلیاں، کہ جہاں ہیں جائے بتاں نہیں

کُشتگانِ عشق کو بنیو خدا سے خوب دردؔ
سخت صدمے یہ بُتوں کے ہاتھوں یاں سہ کر گئے

شخص و عکس اِس آئینے میں جلوہ فرما ہو گئے
اُس نے دیکھا اپنے تئیں، ہم اِس میں پیدا ہو گئے

آئے تھے اِس مجمع (کذا) میں قصد کر کے دور سے
ہم تماشے کے لیے آپ ہی تماشا ہو گئے

شیخ صاحب! کچھ نہ پوچھو خلق ہے وہ پُرفساد
جن میں یاں اصلاح سے بھی فتنے برپا ہو گئے

آہ! وہ وہ شخص جو دیتے تھے خبریں غیب کی
ڈھونڈھتے پھرتے ہیں اُن کو لوگ، وہ کیا ہو گئے

دل ہی کچھ تنہا خفا ہو کے نہ یاں سے اُٹھ گیا
ہم بھی تو اے دردؔ، چلنے کو مہیّا ہو گئے

تہمتِ چند اپنے ذمّے دھر چلے
جس لیے آئے تھے، سو ہم کر چلے

زندگی ہے یا کوئی طوفان ہے!
ہم تو اِس جینے کے ہاتھوں مر چلے

کیا ہمیں کام اِن گُلوں سے اے صبا
ایک دم آئے اِدھر، اودھر چلے

دوستو! دیکھا تماشا یاں کا سب
تم رہو خوش، ہم تو اپنے گھر چلے

آہ! بس مت جی جلا، تب جانیے
جب کوئی افسوں ترا اُس پر چلے

ایک میں دل ریش ہوں ویسا ہی دوست
زخم کتنوں کے، سنا ہے، بھر چلے

شمع کے مانند، ہم اِس بزم میں
چشم تر آئے تھے، دامن تر چلے

ڈھونڈھتے ہیں آپ سے اُس کو پرے — شیخ صاحب چھوڑ گھر، باہر چلے
ہم نہ جانے پائے باہر آپ سے — وہ ہی آڑے آگیا، جیدھر چلے
ہم جہاں میں آئے تھے تنہا ولے — ساتھ اپنے اب اُسے لے کر چلے
جوں شرر، اے ہستیِ بے بود! یاں — بارے ہم بھی اپنی باری بھر چلے
ساقیا! یاں لگ رہا ہے چل چلاؤ — جب تلک بس چل سکے، ساغر چلے

دردؔ! کچھ معلوم ہے، یہ لوگ سب
کس طرف سے آئے تھے، کیدھر چلے

بات جب آندان پڑتی ہے — تب کہیں تیرے کان پڑتی ہے
آتشِ عشق، قہر، آفت ہے — ایک بجلی سی آن پڑتی ہے
آخرُالامر آہ کیا ہوگا! — کچھ تمھارے بھی دھیان پڑتی ہے
بات بڑھتی ہے دل میں جو آخر — خلق کی پھر زبان پڑتی ہے
میرے احوال پر نہ ہنس اتنا — یوں بھی اے مہربان، پڑتی ہے

شعر ہے اور دردؔ ہے، یعنی
بات میں اور ہی جان پڑتی ہے

ایک آن سنبھلتے نہیں وہ میرے سنبھالے
بے طرح کچھ اِن آنسوؤں نے پاؤں نکالے
جو کچھ کہ دکھاوے گا خدا، دیکھیں گے ناچار
صدقے ترے، اک بار تو مُنہ پھر بھی دکھالے

مرنے سے آگے کیا ہے، مرجائیں گے تو مرجائیں
بہتر، نہ ملیے ہم سے، گر یوں ہی جی میں ٹھانی
میرے غُبار کا کچھ پایا نشاں نہ ہرگز
صحرا میں جا صبا نے ہر چند خاک چھانی

جب کہا میں کہ ٹک خبر لینا — دل پہ آفت ندان ہے پیارے
ایک دم میں تو جی ہی جاتا ہے — زیست اب کوئی آن ہے پیارے
تب لگا کہنے: سچ، یوں ہی ہوگا — کیا، پر، اِس کا بیان ہے پیارے
میرے دل کی جو پوچھے، تو یہ ہے — جان تو اپنی جان ہے پیارے
تجھ سے مرجائیں گے، تو مرجائیں
جان ہے تو جہان ہے پیارے

تیری گلی میں مَیں نہ چلوں اور صبا چلے!
یوں ہی خدا جو چاہے تو بندے کی کیا چلے
کس کی یہ موجِ حُسن ہوئی جلوہ گر کہ یوں
دریا میں جو حباب تھے، آنکھیں چھپا چلے
ہم بھی جرس کی طرح تو اِس قافلے کے ساتھ
نالے جو کچھ بساط میں تھے، سو سُنا چلے
کہ بیٹھیو نہ درد کہ اہلِ وفا ہوں میں
اُس بے وفا کے آگے جو ذکرِ وفا چلے

دیکھوں گا میں اُسے دیکھیے مرتے مرتے
یا نکل جائے گا جی نالے ہی کرتے کرتے

لا گُلابی دے مجھے ساقی! کہ یاں مجلس ہی
خالی ہو جاتی ہے، پیمانے کے بھرتے بھرتے

جو گیا کوچے میں اُس کے، نہ پھرا اودھر سے
اے صبا! جاتی ہے تو جائیو ڈرتے ڈرتے

دردؔ جوں نقشِ قدم تھا سرِ رہ پر اُس کے
مٹ گیا اوروں ہی کے پانو کے دھرتے دھرتے

آیا ہے ابر زور چمن میں، بہار ہے
ساقی! شتاب آ کہ ترا انتظار ہے

ظالم! سمجھ کے اپنی نظر پھینکیو کہیں
گزرا جدھر یہ تیر، تو پھر وار پار ہے

روتا نہیں ہے شاہدِ مینا یہ بے سبب
گردن پہ اُس کی خون کسی کا سوار ہے

ناداں! نظر سے اپنی گرا دے نہ دردؔ کو
جو کچھ کہ ہے سو ہے، پہ ترا دوست دار ہے

مدّت ہوئی کہ وہ لطف و عنایات رہ گئی
اب گاہ گاہ سیدھی ملاقات رہ گئی

یاں کون آشنا ہے ترا، کس کو تجھ سے ربط
کہنے کو یہ بھی لوگوں کے، اک بات رہ گئی

بازی بدی تھی اُن نے مری چشمِ تر کے ساتھ
آخر کو ہار ہار کے برسات رہ گئی

وہ دُخترِ رز کہ پھلتی ہے پھرے ہے جہان کو
کہتے ہیں، دردؔ پاس بھی اک رات رہ گئی

گرچہ بیزار تو ہے، پر اُسے کچھ پیار بھی ہے
ساتھ انکار کے پردے میں پھر اقرار بھی ہے

زاہدا! شرکِ خفی کی بھی خبر ٹک لینا
ساتھ ہر دانۂ تسبیح کے زُنّار بھی ہے

نظرِ رحمت! اِدھر کو بھی گزر کیجیے گا
اِسی اُمّید پہ آیا یہ گنہ گار بھی ہے

دل بھلا ایسے کو اے دردؔ نہ دیجے کیوں کر
ایک تو یار ہے اور تس پہ طرح دار بھی ہے

جب نظر سے بہار گزرے ہے
جی پہ رفتارِ یار گزرے ہے
وہ زمانے سے باہر، اور مجھے
رات دن انتظار گزرے ہے
جس کے تو ہو کے سامنے گزرا
آپ سے بار بار گزرے ہے
نالۂ زارِ دردؔ کا ہر ایک
چھوٹتے، دل کے پار گزرے ہے

تو چونکتا عبث ہے کسی بات کے لیے
میں آگیا ہوں صرف ملاقات کے لیے
یوں ہی تمام جھگڑے ہی رگڑے میں ہو گئی
ہر دن خراب پھرتے تھے جس رات کے لیے
اگلے مُعانقے کو اگر کیجیے مُعاف
لگ جاؤں اب گلے سے مکافات کے لیے
ہم جانتے ہیں دردؔ، اندھیرے میں رات کو
تو لگ رہا ہے کوچے میں جس گھات کے لیے